قرآن کریم کی اعجازی خصوصیات

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ

مترجم: مولانا اکبر علی

سابق استاذ دارالعلوم کراچی، کراچی

پہلی خصوصیت: بلاغت

قرآن حکیم بلاغت کے اس اعلیٰ معیار پر پہنچا ہوا ہے جس کی مثال انسانی کلام میں قطعی نہیں ملتی، ان کے کلام کی بلاغت اس معیار تک پہنچنے سے قاصر ہے، بلاغت کا مطلب یہ ہے کہ جس موقع پر کلام کیا جارہا ہے اس کے مناسب معنی کے بیان کے لیے بہترین الفاظ اس طرح منتخب کیے جائیں کہ مدعا کے بیان کرنے میں اور اس پر دلالت کرنے میں نہ کم ہوں نہ زیادہ، لہٰذا مقصد را الفاظ زیادہ شاندار اور معانی شگفتہ ہوں گے اور کلام کی دلالت جس قدر حال کے مطابق ہوگی اتنا ہی وہ کلام زیادہ بلیغ ہوگا۔ قرآن کریم بلاغت کے اس بلند معیار پر پورا اترتا ہے، اس کے چند دلائل ہیں۔

بلاغت کی پہلی دلیل

اہل عرب کی فصاحت بالعموم محسوسات کے بیان تک محدود ہے، جیسے اونٹ، گھوڑے یا عورت اور بادشاہ کی تعریف، شمشیر زنی، نیزہ بازی، جنگ یا لوٹ مار کا بیان، یہی حال عجمیوں کا ہے خواہ وہ شاعر ہوں یا انشاء پرداز، عموماً ان کی فصاحت انہی چیزوں کے بیان میں دائر ہے، بلکہ ان اشیاء کے بیان میں ان کی فصاحت وبلاغت کا دائرہ بڑا وسیع ہے، ایک تو اس لئے کہ یہ چیزیں اکثر انسانوں کی طبیعت کے مطابق ہیں، دوسرے ہر ملک اور ہر زمانہ کے شاعروں اور ادیبوں نے ان اشیاء کا ذکر کرتے ہوئے کوئی نہ کوئی جدید مضمون یا لطیف نکتہ بیان کیا ہے، چنانچہ بعد کے آنے والے لوگوں کے لئے پہلوں کی موشگافیاں پہلے سے موجود ہوتی ہیں۔

اب اگر کوئی شخص سلیم الذہن ہو، اور ان چیزوں کے بیان کا ملکہ حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہو تو مسلسل مشق کرنے کا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے۔ چونکہ قرآن کریم میں خاص طور پر اشیاء کا بیان نہیں کیا گیا، لہٰذا اس میں ایسے فصیح الفاظ کا وجود نہ ہونا چاہئے جن کی فصاحت اہل عرب کے نزدیک مسلم اور متفق علیہ ہے۔

دوسری دلیل

قرآن کریم میں اللہ نے سچائی اور راست گوئی کا پورا اہتمام کیا ہے اور سارے قرآن میں کوئی ایک بات غلط یا جھوٹ نہیں ہے۔ ادھر جو شاعر اپنے کلام میں سچ بولنے کی پابندی کرے اور جھوٹ کی آمیزش سے احتراز کرے اس کا شعر یقیناً فصاحت سے گر جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کہاوت مشہور ہوگئی کہ ''بہترین شعر وہ ہے جس میں زیادہ سے زیادہ جھوٹ بولا گیا ہو''۔ تم دیکھتے ہو کہ لبید بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں بزرگ جب مسلمان ہوگئے تو ان کا کلام معیار سے گر گیا ان کے اسلامی دور کے اشعار جاہلی زمانہ کے اشعار کی طرح زور دار نہیں ہیں، لیکن قرآن کریم باوجود جھوٹ سے پرہیز کرنے کے نہایت فصیح ہے۔

تیسری دلیل

کسی قصیدہ کے تمام اشعار شروع سے آخر تک فصیح نہیں ہوتے۔ بلکہ تمام قصیدہ میں ایک ہی دو شعر معیاری ہوتے ہیں اور باقی اشعار پھیکے اور بے مزہ، قرآن کریم اس کے برعکس باوجود اتنی بڑی ضخیم کتاب ہونے کے سارے کا سارا اس درجہ فصیح ہے کہ تمام مخلوق اس کے معارضہ اور مقابلہ سے عاجز ہے، جس کسی نے سورۂ یوسف (علیہ السلام) کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہوگا وہ جانتا ہے کہ اتنا طویل قصہ بیان کے لحاظ سے جان بلاغت ہے۔

چوتھی دلیل

اگر کوئی شاعر یا ادیب کسی مضمون یا قصہ کو ایک سے زیادہ بار بیان کرتا ہے تو اس کا دوسرا کلام پہلے کلام جیسا ہرگز نہیں ہوتا اس کے برخلاف قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات، پیدائش و آخرت کے احوال احکام اور صفات خداوندی بکثرت اور بار بار بیان کیے گئے ہیں۔ انداز بیان بھی اختصار اور تطویل کے اعتبار سے مختلف ہے عنوان و بیان میں ایک ہی اسلوب اختیار نہیں کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود ہر تعبیر اور ہر عبارت انتہائی فصاحت کی حامل ہے اس لحاظ سے دونوں عبارتوں میں کچھ بھی تفاوت محسوس نہیں ہوتا ہے۔

پانچویں دلیل

قرآن کریم نے عبادات کے فرض ہونے، ناشائستہ امور کے حرام ہونے، اچھے اخلاق کی ترغیب دینے، دنیا کو ترک کرنے اور آخرت کو ترجیح دینے یا اور اسی قسم کے دوسری باتوں کے بیان پر اکتفاء کیا ہے ان چیزوں کا ذکر و تذکرہ کلام کی فصاحت کم کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی فصیح شاعر یا ادیب فقہ یا عقائد کے دو دس مسئلے ایسی بہترین فصیح عبارت میں لکھنے کا ارادہ کرنے جو بلیغ تشبیہات اور دقیق استعاروں کو لئے ہوئے ہو تو وہ قطعی عاجز ہوگا اور اپنے مقصد میں ناکام۔

چھٹی دلیل

ہر شاعر کی سحر کلامی ایک ہی فن تک محدود ہوتی ہے اس کا کلام دوسرے مضامین کے بیان میں بالکل پھیکا پڑ جاتا ہے۔ جیسا کہ شعراء عرب کے متعلق مشہور ہے کہ امراء القیس کے اشعار شراب، کباب، عورتوں کے ذکر اور گھوڑوں کی تعریف میں بے مثل اور لاجواب ہیں۔ نابغہ کے اشعار خوف و ہیبت کے بیان میں اعشیٰ کے شعر حسن طلب اور شراب کے وصف میں، زہیر کے اشعار رغبت اور امید کے بیان میں بے نظیر ہوتے ہیں شعراء فارسی نظامی اور فردوسی جنگ وجدل کے بیان میں یکتا ہیں۔ سعدی غزل گوئی کے بادشاہ ہیں تو انوری قصیدہ گوئی کے امام ہیں۔

اس کے برعکس قرآن حکیم خواہ کوئی مضمون بیان کرے ترغیب کا ہو یا ترہیب کا ڈرانے والا ہو یا نصیحت کا، ہر مضمون میں اس کی فصاحت کا سورج نصف النہار کو پہنچا ہوا ہے۔ ہم نمونہ کے طور پر ہر صنف بیان کی ایک ایک آیت پیش کرتے ہیں۔

قرآن کریم کی بلاغت کے نمونے

ترغیب کا مضمون

ترغیب کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ،

ترجمہ: کوئی شخص آنکھوں کی ٹھنڈک کے اس سامان کو نہیں جانتا جو (اس کے لئے پوشیدہ رکھا گیا ہے)۔

ترہیب کا مضمون

جہنم کے عذاب سے ڈراتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ مِّنْ وَّرَائِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا

يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَمِنْ وَّرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ۔

ترجمہ: ہر ظالم اور معاند شخص ناکام رہے گا اس کے پیچھے ایک بھرا کنواں ہے اسے پیپ لہو کا پانی پلایا جائے گا جسے وہ گھونٹ گھونٹ کرکے پیئے گا۔ مگر مجال ہے کہ اسے خوشگواری کے ساتھ حلق سے اتار سکے، اور اسکے پاس ہر طرف سے موت آئے گی مگر وہ مرے گا نہیں، اور اسکے پیچھے شدید عذاب ہوگا۔

دھمکی اور ملامت

دنیوی عذاب کی دھمکی دیتے ہوئے ارشاد ہے:

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا، وَمِنْهُمْ مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ أَغْرَقْنَا، وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ط۔

ترجمہ: پس ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کے عوض دھر لیا، ان میں سے بعض وہ تھے جن پر ہم نے پتھراؤ بھیجا بعض وہ تھے جنہیں چیخ نے آ پکڑا اور بعض وہ تھے جنہیں ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور بعض وہ تھے جنہیں ہم نے غرق کر ڈالا، اور اللہ ظلم کرنے والا نہ تھا وہ لوگ تو خود اپنے جانوں پر ظلم کر رہے تھے۔

وعظ و نصیحت

وعظ و نصیحت کا مضمون ارشاد فرمایا جا رہا ہے:

أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِينَ ثُمَّ جَاءَهُمْ مَّا كَانُوا يُوعَدُونَ مَا أَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يُمَتَّعُونَ ط۔

ترجمہ: اے مخاطب ذرا بتلاؤ تو اگر ہم ان کو چند سال تک عیش میں رہنے دیں پھر جس کا ان سے وعدہ ہے وہ انکے سر آ پڑے تو ان کا وہ عیش کس کام آ سکتا ہے۔

ذات وصفات کا بیان:

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثٰى وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ط۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو سب خبر رہتی ہے جو کچھ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور جو کچھ رحم میں کمی بیشی ہوتی ہے اور ہر شئے اللہ کے نزدیک ایک خاص انداز سے ہے، وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے سب سے بڑا عالی شان ہے۔

ساتویں دلیل

اگر کلام کو ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی جانب منتقل کیا جائے اور وہ مختلف مضامین کے بیان پر مشتمل ہو تو ایسی شکل میں کلام کے اجزاء کے درمیان عمدہ قسم کا ربط اور جوڑ نہیں رہتا۔ اس لیے وہ کلام بلاغت کے معیاری درجہ سے گر جاتا ہے۔

اس کے برعکس قرآن کریم میں ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی جانب انتقال و گریز بکثرت پایا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ امر و نہی کے مضامین اور خبر و استخبار وعدہ و وعید اور کہاوتوں کے مختلف النوع مضامین بیان کرتا ہے۔ اس کے باوجود اس میں کمال درجہ کا ربط اور تعلق اور آگے کا پیچھے سے جوڑ موجود ہے اور بلاغت کا ایسا اعلیٰ معیار قائم رہتا ہے جو انسانی عادت کے خلاف ہے۔ اسی لیے عرب کے بلغاء کی عقلیں قرآن کو دیکھ کر حیران ہیں۔

آٹھویں دلیل

قرآن کریم کا طرۂ امتیاز ہے کہ اکثر جگہوں پر تھوڑے سے الفاظ میں بے شمار معانی کو اس طرح سمو لیتا ہے جیسے سمندر کو کوزے میں، اس جامعیت کے ساتھ کہ اس کی حلاوت اور شیرینی اور زیادہ ہو جاتی ہے جن لوگوں نے سورۂ ص کی ابتدائی آیتوں پر غور کیا ہوگا وہ میرے قول کی سچائی کی شہادت دیں گے کہ جس عجیب طریقہ پر اس کی ابتداء کی گئی ہے، کفار کے واقعات اور ان کی مخالفت و عناد کے بیان کے ساتھ گذشتہ امتوں کے ہلاک کئے جانے سے اس کو تنبیہ کی گئی، ان کا حضور ﷺ کی تکذیب کرنا، اور قرآن کریم کے نازل ہونے پر تعجب اور حیرت کرنا بیان فرمایا گیا، پھر ان کے سرداروں کا کفر پر متفق ہونا، ان کے کلام میں حسد کا نمایاں ہونا اور ان کی تعجیز و تحقیر، دنیا اور آخرت میں ان کی رسوائی اور ذلت کی دھمکی، ان سے پہلی قوموں کی تکذیب کا بیان، اور اللہ کا ان کو ہلاک کرنا قریش اور ان جیسے دوسرے لوگوں کو امم سابقہ کی سی ہلاکت کی دھمکی، حضور ﷺ کو ان کی ایذا رسانی پر صبر کی ترغیب اور آپ کی دلداری اور تسلی اس کے بعد داؤد، سلیمان، ایوب، ابراہیم اور یعقوب علیہم السلام کے واقعات کا بیان، یہ سب مضامین اور واقعات بہت ہی مختصر اور تھوڑے الفاظ میں بیان فرمائے گئے ہیں، اسی طرح ارشاد ہے۔ ”وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ“ سبحان اللہ اس جملہ کی جامعیت پر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے اس قدر اختصار اور پھر بے شمار معانی سے مالا مال، بلاغت کا شاہکار ہونے کے علاوہ دو متقابل معانی یعنی قصاص و حیات کے درمیان مطابقت پر مشتمل ہے ساتھ ساتھ مضمون کی ندرت بھی پائی جاتی ہے کیونکہ قتل جو حیات کو فنا کر دینے والا ہے اسکو خود حیات کا ظرف قرار دیا گیا ہے، یہ کلام ان تمام تعبیرات اور مقولوں سے بہتر اور

عمدہ ہے جو اہل عرب کے یہاں اس مفہوم کی ادائیگی کے لئے مشہور ہیں سب سے زیادہ مشہور کہاوتیں اس سلسلہ میں یہ ہیں:

قَتْلُ الْبَعْضِ اَحْيَاءٌ لِلْجَمِيعِ

بعض لوگوں کا قتل باقی تمام انسانوں کے لئے زندگی کا سامان ہوتا ہے

اور

اَكْثِرُوا الْقَتْلَ لِيَقِلَّ الْقَتْلُ

قتل زیادہ کرو تاکہ قتل کم ہو جائیں

اور

اَلْقَتْلُ اَنْفٰى لِلْقَتْلِ

قتل قتل کو دور کرتا ہے

لیکن قرآنی الفاظ ان کے مقابلہ میں چھ وجہ سے زیادہ فصیح ہیں:۔

۱۔ قرآنی جملہ ان سب فقروں سے زیادہ مختصر ہے، اس لئے کہ ”وَلَكُمْ“ کا لفظ تو اس میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ لفظ ہر مقولہ میں محذوف ماننا پڑے گا، مثلاً: قَتْلُ الْبَعْضِ اَحْيَاءٌ لِلْجَمِيعِ میں بھی اس کو مقدر ماننا ضروری ہے اسی طرح اَلْقَتْلُ اَنْفٰى لِلْقَتْلِ میں بھی، اب صرف فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ کے حروف مجموعی دوسرے اقوال کے حروف کی نسبت سے بہت مختصر ہیں۔

۲۔ انسانی کلام اَلْقَتْلُ اَنْفٰى لِلْقَتْلِ بظاہر اس کا مقتضی ہے کہ ایک شے خود اپنی نفی کا سبب ہو سکے، اور یہ عیب ہے اس کے برعکس الفاظ قرآنی کا تقاضا ہے کہ قتل کی ایک نوع جس کو قصاص کہا جاتا ہے حیات کی ایک نوع کا سبب ہے۔

۳۔ ان کے بہترین کلام میں تکرار لفظی قتل کا موجود ہے، جو عیب شمار کیا گیا ہے برخلاف الفاظ قرآن کے کہ اس میں تکرار نہیں۔

۴۔ ان کا یہ بہترین کلام قتل سے روکنے کے علاوہ اور کسی معنی کا فائدہ نہیں دے رہا ہے، اس کے برعکس الفاظ قرآنی قتل اور زخمی کرنے دونوں سے روکنے کا فائدہ دے رہے ہیں، اس لئے یہ کلام زیادہ عام اور مفید ہوا۔

۵۔ ان کہاوتوں میں قتل کو ایک دوسری حکمت کا تابع بنا کر اسے مطلوب قرار دیا گیا ہے، اس کے برعکس قرآنی الفاظ میں بلاغت اس لئے زیادہ ہے کہ وہ قتل کا نتیجہ زندگی کو قرار دیتا ہے جو اصل مقصود ہے، اس

سے خود قتل کے مقصود ہونے پر اشارہ ملتا ہے۔

۶۔ ظلماً قتل کرنا بھی قتل کی ایک نوع ہے مگر یہ قتل کو روکنے والی ہرگز نہیں اس کے برعکس قصاص بہر صورت مفید ہی مفید ہے لہٰذا انسانی کلام بظاہر غلط اور قرآنی الفاظ ظاہری و باطنی طور پر صحیح ہیں۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ ط

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور ڈرتا رہے تو ایسے لوگ کامیاب ہیں۔

اس لئے کہ یہ قول باوجود مختصر الفاظ کے تمام ضروری چیزوں کو جامع ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بطریق روم کا واقعہ

کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روز مسجد میں آرام فرما رہے تھے کہ اچانک ایک شخص کو دیکھا جو آپ کے سرہانے کھڑا ہوا کلمہ شہادت پڑھ رہا تھا پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میں روم کے ان علماء میں سے ہوں جو عربی اور دوسری بہت سی زبانیں خوب جانتے ہیں، میں نے ایک مسلمان قیدی کو تمہاری کتاب کی ایک آیت پڑھتے سنا اور پھر غور کیا تو وہ آیت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی ان تمام آیات کو جامع ہے جو دنیا اور آخرت کے احوال کے سلسلہ میں ان پر نازل ہوئی ہیں، وہ آیت مَن يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ ہے۔

حسین بن علی واقدی اور ایک عیسائی طبیب کی حکایت

نصاریٰ کے ایک طبیب حاذق نے حسین بن علی واقدی سے سوال کیا کہ تمہاری کتاب قرآن میں علم طب کی کوئی بات ذکر نہیں کی گئی، حالانکہ علم کی دو قسمیں ہیں علم الابدان اور علم الادیان۔

حسین نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے تو پورا علم طب نصف آیت میں بیان فرما دیا ہے، طبیب نے پوچھا کہ وہ کونسی آیت ہے؟ کہا کہ:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا

کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو

یعنی جو کھانے پینے کی چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال کی ہیں ان کو کھاؤ پیو اور حرام کی طرف مت بڑھو اور اس قدر زیادہ مقدار مت استعمال کرو جو مضر ہو، اور جس کی تم کو ضرورت بھی نہ ہو۔

پھر طبیب نے پوچھا کہ کیا تمہارے نبی نے بھی اس سلسلہ میں کچھ فرمایا ہے؟ انہوں نے فرمایا بیشک ہمارے حضور ﷺ نے بھی چند الفاظ میں پوری طب کو سمیٹ دیا ہے، طبیب نے پوچھا کیسے؟ انہوں نے کہا حضور ﷺ نے فرمایا:

اَلْمِعْدَةُ بَيْتُ الدَّاءِ، وَالْحِمْيَةُ رَأْسُ كُلِّ دَوَاءٍ، وَاَعْطِ كُلَّ بَدَنٍ مَا عَوَّدْتَهٗ۔

ترجمہ: معدہ امراض کا گھر ہے اور پرہیز سب سے بڑی دوا ہے۔ اور بدن کو وہ چیز دو جس کا تم نے اسے عادی بنایا ہے۔

طبیب نے کہا کہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ نبی علیہ السلام اور تمہاری کتاب نے جالینوس کی ضرورت باقی نہیں چھوڑی یعنی دونوں نے وہ چیز بتادی جو حفظ صحت اور ازالہ مرض کے لئے اصل اور مدار ہے۔

نویں دلیل

کلام کی شوکت اور شیرینی و حلاوت دو متضاد صفتیں ہیں جن کا اجتماع طویل کلام کے ہر جزو میں مناسب مقدار کے ساتھ عادۃً ادباء کے کلام میں نہیں ہوتا پھر ان دونوں چیزوں کا جابجا تمام مواقع پر قرآن کریم میں پایا جانا دلیل ہے کہ کمال بلاغت اور فصاحت کی جو انسانی عادت سے خارج ہے۔

دسویں دلیل

قرآن کریم بلاغت کی جمیع اقسام و انواع پر مشتمل ہے، مثلاً تاکید کی اقسام، تشبیہ و تمثیل کی قسمیں استعارہ اور حسن مقاطع اور مطالع و حسن مفاصل کی اقسام، تقدیم و تاخیر، فصل اور وصل اور ایسے رکیک اور شاذ الفاظ سے قرآن کریم یکسر خالی ہے، جو نحوی صرفی قواعد یا لغوی استعمال کے خلاف ہوں، بڑے بڑے ادباء اور شعراء میں سے کوئی بھی ان بلاغت کی مذکورہ انواع میں سے ایک دو سے زیادہ اپنے کلام میں استعمال نہیں کر سکا، اور اگر کسی نے ان سب کو جمع کرنے کی کوشش بھی کی ہے تو ٹھوکریں کھائی ہیں۔ قرآن کریم اس کے برعکس ان تمام انواع بلاغت سے بھرا پڑا ہے۔

یہ دس وجوہ ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن کریم بلاغت کے اس بلند مرتبہ پر پہنچا ہوا ہے جو انسانی عادت سے خارج ہے، اس بات کو فصحائے عرب اپنے سلیقہ سے سمجھتے ہیں اور عجمی علماء علم بیان کی مہارت اور اسالیب کلام کے احاطہ سے اور جو شخص لغت عرب سے جتنی زیادہ واقفیت رکھتا ہوگا وہ بہ نسبت دوسروں کے قرآنی اعجاز کو زیادہ سمجھے گا۔

قرآن کریم کی دوسری خصوصیت

دوسری چیز جو قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ اس کی عجیب ترکیب، نادر اسلوب، آیتوں کے آغاز و انتہا کا انداز، ساتھ ہی اس کے علم بیان کے دقائق اور عرفانی حقائق پر مشتمل ہونا، نیز حسن عبارت اور پاکیزہ اشارے، سلیس ترکیبیں اور بہترین ترتیب، ان مجموعی خوبیوں کو دیکھ کر بڑے بڑے ادباء کی عقلیں حیران ہیں۔

قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کو معجزانہ حد تک پہنچا دینے میں ایک حکمت تو یہ تھی کہ کسی بڑے سے بڑے ہٹ دھرم کو بھی یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ معاذ اللہ اس کلام میں سرقہ پایا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ کا کلام انسانوں کے کلام سے اس حد تک ممتاز ہو جائے کہ کسی بڑے سے بڑے ادیب اور شاعر کا کلام اس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے۔

کوئی ادیب غلطیوں سے خالی نہیں رہا

اس لئے کہ انسانوں میں جتنے ادیب گذرے ہیں چاہے وہ نثر نگار ہوں یا شاعر، خاص طور پر اپنے کلام کے آغاز (مطالع) کو حسین سے حسین تر بنانے کی کوشش کرتے ہیں، حسن ابتداء ہی وہ چیز ہے جو ایک ادیب کے کلام کو چمکا دیتی ہے، اور اسی میں کوئی لغزش ہو جائے تو پورے کلام کا حسن غارت ہو جاتا ہے، مثلاً امراء القیس کو لیجئے، اس کے مشہور قصیدے کا مطلع ہے

قفا نبك من ذكرى حبيب و منزل بسقط اللوى بين الدخول فحومل

شعر کے ناقدوں نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس شعر کا پہلا مصرع اپنے الفاظ کی شیرینی، نزاکت اور مختلف قسم کے معانی کو ایک جملہ میں جمع کر دینے کے اعتبار سے بے نظیر ہے، اس لئے کہ اس میں وہ اپنے آپ کو بھی محبوب کی یاد میں ٹھہرنے کی دعوت دے رہا ہے اور اپنے ساتھیوں کو بھی، خود بھی رو رہا ہے، دوسروں کو بھی رلا رہا ہے، محبوب کو بھی یاد کر رہا ہے اور اس کے گھر کو بھی، لیکن دوسرا مصرعہ ان تمام نزاکتوں سے خالی ہے۔

اسی طرح عربی کے مشہور شاعر ابو النجم کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ہشام بن عبدالملک کے پاس گیا، اور قصیدے کا مطلع پڑھا

صفراء قد كادت ولما تفعل
كأنها في الأفق عين الاحول

اتفاق سے ہشام بھینگا تھا، اس لئے اس نے ابو النجم کو نکال باہر کیا اور قید کروا دیا۔

اسی طرح جریر نے ایک مرتبہ عبدالملک کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ پڑھا جس کا مطلع تھا

أتصحوا أم فؤادك غير صاح

اس پر عبدالملک نے بگڑ کر کہا:

بل فؤادك وأنت يا ابن الفاعلة

یعنی خود تیرا دل بے ہوش ہوگا

اسی طرح بحتری نے یوسف بن محمود کے سامنے مطلع پڑھا

لك الويل من ليل تقاصر آخره

بادشاہ نے فوراً کہا: اس کا نہیں، تیرا ناس ہو

اسحٰق موصلی مانا ہوا ادیب ہے وہ ایک مرتبہ معتصم کے پاس گیا، بادشاہ انہی دنوں میں میدان کے اندر اپنا محل تعمیر کر کے فارغ ہوا اسحٰق نے جا کر اس کے سامنے اپنا یہ مطلع پڑھا:

یا دار غیرک البلی ومحاک!
یا لیت شعری ما الذی ابلاک

معتصم نے اس شعر سے بدشگونی لیتے ہوئے فوراً محل کو گرانے کا حکم دیدیا۔ غرض اسی طرح بڑے مشہور شعراء نے ان مقامات پر لغزشیں اور ٹھوکریں کھائی ہیں، شرفاء عرب باوجود اس کے کہ کلام کے اسرار پر پوری مہارت رکھتے تھے اور اسلام سے شدید عداوت بھی، لیکن قرآن کی بلاغت اور الفاظ کی خوبصورتی اور اسلوب و طرز کی عمدگی میں انگلی رکھنے کی مجال نہ پا سکے، اور نہ کوئی عیب نکالنے کی قدرت ہوئی بلکہ انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ یہ کلام شاعروں کے شعر اور خطیبوں کے خطبوں جیسا ہرگز نہیں ہے البتہ اسکی فصاحت پر حیران ہوتے ہوئے کبھی اس کو جادو کہا، اور کبھی یہ کہا کہ محمد ﷺ کا تراشیدہ اور پہلوں کی بے سند باتیں ہیں جو نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں، کبھی اپنے ساتھیوں سے یوں کہتے ہیں کہ اس قرآن کو مت سنو، اور جب پڑھا جائے تو خوب شور مچاؤ، شاید اس طریقہ سے تم غالب آ جاؤ، یہ پوزیشن عموماً اس شخص کی ہوتی ہے جو حیران اور لاجواب ہوا کرتا ہے۔

ثابت ہوا کہ قرآن اپنی فصاحت و بلاغت اور حسن الفاظ کی بنا پر معجزہ ہے اور یہ بات عقل سلیم کیونکر تسلیم کر سکتی ہے کہ فصحائے عرب جن کا شمار ریت کے ذروں اور سنگستانی پتھریوں سے کم نہ تھا، اور جو اپنی حمیت اور عصبیت میں مشہور تھے، جو ایک دوسرے کے مقابلہ میں تفاخر کی جنگ کے دلدادہ اور حسب و نسب کی مدافعت کے عادی تھے، انہوں نے بڑی آسان بات یعنی سب سے چھوٹی قرآن کی سورۃ کے

برابر کے برابر سورت تیار کرنے کے بجائے شدید ترین صعوبتیں برداشت کرنے کو ترجیح دی، جلاوطن ہوئے، گردنیں کٹائیں اور قیمتی جانیں قربان کیں، بال بچوں کی گرفتاری اور مال واملاک کی بربادی سہی، مگر قرآن کے مقابلہ میں ایک سورۃ پیش نہ کرسکے۔ حالانکہ ان کا مخالف چیلنج دینے والا عرصہ دراز تک ان کے بھرے مجمعوں میں اور محفلوں میں اس قسم کے الفاظ سے ان کو چیلنج کرتا رہا۔

فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ط۔

ترجمہ: اس جیسی ایک سورت بنالاؤ اور اگر تم سچے ہو تو (اس مقصد کے لئے) اللہ کے سوا جس کسی کو اس کام میں اپنی مدد کے لئے بلاسکو بلالو۔

اور ایک دوسری جگہ قرآن نے پکارا:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ط فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ط

ترجمہ: اور اگر تم کو اس کتاب کے بارے میں ذرا بھی شک وشبہ ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسی ایک سورت بنالاؤ اور اگر سچے ہو تو اللہ کے سوا جتنے تمہارے حمایتی ہیں سب کو اپنی مدد کے لئے بلالو پھر بھی اگر تم ایسا نہ کرسکو اور یقین ہے کہ ہرگز نہ کرسکو گے تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

دوسری جگہ پورے دعوے کے ساتھ کہا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ط

ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات مل کر اس قرآن کے جیسا کلام بنانا چاہیں تو بھی اس جیسا نہیں بنا سکیں گے، خواہ ان میں سے ایک دوسرے کی کتنی ہی مدد کیوں نہ کرے۔

اور اگر ان کا یہ گمان تھا کہ محمد ﷺ نے کسی دوسرے کی مدد سے یہ کتاب تیار کی ہے تو ان کیلئے بھی ایسا ہی موقع تھا کہ دوسرے کی مدد سے ایسی کتاب تیار کردیتے، کیونکہ محمد ﷺ بھی تو زبان دانی اور مدد طلب کرنے میں منکرین ہی کی طرح ہیں۔

جب انہوں نے ایسا نہ کیا اور قرآن مجید کا مقابلہ کرنے پر جنگ وجدل کو ترجیح دی اور زبانی

مقابلہ کرنے کے بجائے مار دھاڑ کو گوارا کیا تو ثابت ہوگیا کہ قرآن کریم کی بلاغت ان کو تسلیم تھی اور وہ اس کے معارضے سے عاجز تھے زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ وہ دو فرقوں پر تقسیم ہوگئے، کچھ لوگوں نے اس کتاب کی اور نبی ﷺ کی تصدیق کی اور کچھ لوگ اس کی حسین بلاغت پر حیرت زدہ رہ گئے۔

روایات میں آیا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے حضور ﷺ سے جب یہ آیت سنی:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ط

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف، نکوکاری، اور قریبی رشتہ داروں کو داد و دہش کا حکم دیتا ہے اور فحش اور بیہودہ باتوں سے روکتا ہے۔

تو کہنے لگا کہ خدا کی قسم! اس کلام میں عجیب قسم کی مٹھاس اور رونق ہے اس میں بلا کی روانی اور شیرینی ہے۔

اسی طرح دوسری روایت میں آیا ہے کہ اس نے جب قرآن کریم سنا تو بڑی رقت طاری ہوئی، ابوجہل نے جب سنا تو متنبہ کرنے اس کے پاس آیا اور یہ ابوجہل کا بھتیجا تھا، ولید نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! تم میں کوئی شعر کے حسن وقبح کو مجھ سے زیادہ جاننے والا نہیں، خدا کی قسم! جو محمد ﷺ کہتا ہے اس کو کوئی بھی نسبت اور مشابہت شعر کے ساتھ نہیں ہے۔

اور یہ بھی روایت میں آتا ہے کہ موسم حج آنے پر اس نے قریش کو جمع کیا اور کہا کہ عرب کے مختلف قبائل آئیں گے تو محمد ﷺ کے بارے میں کوئی ایسی بات طے کرلو کہ پھر اس میں باہمی اختلاف نہ ہو قریش نے کہا کہ ہم یہ کہیں گے کہ محمد ﷺ کاہن ہیں، ولید نے کہا، خدا کی قسم وہ اپنے کلام اور سجع میں کاہن ہرگز نہیں ہیں قریش نے کہا کہ پھر مجنون ہیں اس نے کہا کہ ان میں جنون کا شائبہ تک نہیں کہنے لگے کہ پھر ہم کہیں گے کہ شاعر ہیں ولید نے کہا: کہ شاعر بھی ہرگز نہیں شعر کی تمام اقسام کو ہم خوب جانتے ہیں قریش نے کہا کہ ہم کہیں گے کہ وہ جادوگر ہیں، جادوگر بھی نہیں ہوسکتے اور نہ وہ کلام جنتر منتر ہوسکتا ہے۔ قریش نے کہا کہ پھر ہم کیا کہیں؟ کہنے لگا کہ ان باتوں میں سے تم جو بھی کہو گے میرے نزدیک باطل اور غلط ہے، البتہ جادوگر ہونا کچھ ذرا درست ہوگا، اس لئے کہ یہ ایسا جادو ہے جو باپ بیٹے میں، بھائی بھائی میں، اور خاوند بیوی میں جدائی ڈال دیتا ہے اور آدمی کو اس کے قبیلے اور خاندان سے الگ کردیتا ہے۔

پھر یہ وہاں سے اٹھ کر سڑکوں پر جابیٹھے اور لوگوں کو محمد ﷺ کی پیروی سے روکنے لگے، اسی سلسلہ میں آیت کریمہ ولید کی شان میں نازل ہوئی:۔

ذَرْنِی وَمن خلقت وحیدًا .. الخ.

نیز روایت میں آیا ہے کہ عتبہ نے حضور ﷺ سے قرآن کی نسبت اپنی قوم کی مخالفت کے سلسلہ میں گفتگو کی، حضور ﷺ نے ان کے سامنے حٰم، تَنْزِیْلٌ "مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، کِتٰبٌ" فُصِّلَتْ سے فَاَنْذَرْتُکُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ تک تلاوت فرمائی، عتبہ اپنا ہاتھ منہ پر رکھتے ہوئے حضور ﷺ سے رحم کا طالب ہوا، اور کہا کہ بس اور مت سنایئے۔

ایک اور روایت میں یوں آیا ہے کہ حضور ﷺ برابر پڑھتے جاتے تھے، اور عتبہ ہمہ تن گوش بنا ہوا اپنے دونوں ہاتھ بے اختیار اپنی کمر کے پیچھے ڈالے ہوئے ان پر سہارا لیتا جاتا تھا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے آیت سجدہ تلاوت فرمائی۔ اور سجدہ کیا عتبہ اس حالت میں اٹھا کہ قطعی ہوش نہ تھا کہ حضور ﷺ کو کیا جواب دے، اور سیدھا گھر چلا گیا، اور پھر لوگوں سے روپوش رہا، یہاں تک کہ لوگ اس کے پاس پہنچے تب عتبہ نے معذرت کی اور کہا کہ خدا کی قسم! محمد ﷺ نے مجھے ایسا کلام سنایا ہے کہ میرے کانوں نے تمام عمر ایسا کلام نہیں سنا، میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ کیا جواب دوں؟

ابوعبیدہ نے بیان کیا کہ کسی بدوی نے کسی شخص کو یہ پڑھتے ہوئے سنا فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ تو فوراً سجدہ میں گر گیا۔ اور کہا کہ میں نے اس کلام کی فصاحت پر سجدہ کیا ہے۔

اسی طرح ایک مشرک نے کسی مسلمان کو یہ آیت پڑھتے سنا کہ فَلَمَّا اسْتَیْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِیًّا ط کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی مخلوق اس قسم کا کلام کہنے پر قادر نہیں ہے۔

اصمعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان کیا کہ ایک پانچ چھ سالہ بچی کو میں نے فصیح کلام اور بلیغ عبارت ادا کرتے ہوئے سنا وہ کہہ رہی تھی۔ استغفر الله من ذنوبی کلها ۔ میں نے اس سے کہا تو کونسے گناہوں کی معافی چاہتی ہے حالانکہ تو ابھی معصوم اور غیر مکلف ہے، لڑکی نے جواب میں یہ دو شعر پڑھے۔

استغفر الله لذنبی کله	قتلت انسانا بغیر حله
مثل غزال ناعم فی دله	انتصف اللیل ولم اصله

اصمعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ تو کس قدر غضب کی فصیح الکلام ہے، لڑکی نے کہا کہ کیا اللہ کے اس ارشاد کے سامنے بھی کوئی کلام فصیح کہلانے کا مستحق ہوسکتا ہے:

وَاَوْحَیْنَا اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی اَنْ اَرْضِعِیْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا

تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْکِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔

کہ ایک آیت میں دو امر اور دو نہی اور دو خبریں اور دو بشارتیں جمع فرمادی ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے اپنے بھائی انیس سے بڑا شاعر کوئی نہیں دیکھا کہ جس نے زمانہ جاہلیت میں بارہ شعراء کو مقابلہ میں شکست دی تھی وہ جب مکہ سے واپس آیا میں نے اس سے حضور ﷺ کی نسبت پوچھا کہ لوگ آپ ﷺ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اس نے کہا کہ وہ لوگ آپ ﷺ کو شاعر، جادوگر، کاہن بتاتے ہیں پھر کہا کہ میں نے کاہنوں کا کلام بھی سنا ہے ان کا کلام محمد ﷺ کے کلام سے میل نہیں کھاتا، اور میں نے ان کے کلام کا بہترین شعراء کے کلام سے بھی موازنہ کیا ہے، ان کا کلام اس سے بھی جوڑ نہیں کھاتا۔ اس لئے وہ میری نزدیک سچے ہیں اور لوگ جھوٹے۔

صحیحین میں حضرت جابر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورہ طور کی تلاوت کرتے ہوئے سنا جب آپ ﷺ اس آیت پر پہنچے:۔

ام خلقوا من غیر شیء ام هم الخالقون ، ام خلقوا السمٰوٰت والارض ، بل لا یوقنون ، ام عندهم خزائن ربک ام هم المسیطرون۔

میرا دل سلام قبول کرنے کے لئے اڑنے لگا۔

سنا گیا ہے کہ ابن مقفع نے قرآن کریم کا معارضہ کرنے کا ارادہ کیا تھا بلکہ اس کا جواب لکھنا شروع کیا تھا کہ ایک بچے کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا کہ:۔

وَقِیْلَ یٰاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَکِ

فوراً جاتے ہی اپنا لکھا ہوا مٹادیا۔ اور کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کلام کا معارضہ نا ممکن ہے، اور ہرگز یہ انسانی کلام نہیں ہے۔

یحییٰ بن حکم غزالی کی نسبت جو اندلس کے فصحاء میں سے ہے، لکھا ہے کہ انہوں نے بھی اس قسم کا ارادہ کیا تھا، چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے سورہ اخلاص اس نظریہ سے دیکھی کہ اس طرز پر جواب لکھوں، دیکھا یک اس کلام کی اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ میرا دل خوف و رقت سے بھر گیا اور مجھ کو توبہ اور ندامت پر آمادہ کیا۔

دین میں تنگی نہ ہونے کی متعدد تفاسیر

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث، دار العلوم نعیمیہ، کراچی

سابق رکن، اسلامی نظریاتی کونسل (حکومتِ پاکستان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ما جعل علیکم فی الدین من حرج کی تفسیر میں فرمایا حرج کا معنی تنگی ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۲۰۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس دین کی تم عبادت کرتے ہو اس میں تم پر کوئی تنگی نہیں ہے، تم کو جن احکام کا مکلف کیا گیا ہے ان میں کوئی مشکل حکم نہیں ہے اور کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کا کوئی حل نہ ہو، کوئی ایسی دشواری نہیں ہے جس کا کوئی مخرج نہ ہو، بعض چیزوں کا مخرج توبہ ہے، بعض چیزوں کا مخرج کفارہ ہے اور بعض چیزوں کا مخرج قصاص ہے۔

بعض چیزوں میں عزیمت کے مقابلہ میں رخصت ہے، جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا وہ بیٹھ کر نماز پڑھ لے، سفر میں چار رکعت کی نماز کی جگہ دو رکعت نماز پڑھ لے، روزہ نہ رکھے بعد میں قضا کرلے اسی طرح بیمار کے لئے بھی روزہ قضا کرنے کی رخصت ہے، اور جو شخص دائمی مریض ہو وہ روزے رکھنے کے بجائے فدیہ دے دے، اگر اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو توبہ کرے، قتل خطا میں، قسم توڑنے میں، روزہ توڑنے میں، اور بیوی کو یہ کہہ دیا کہ تیری پشت میری ماں کی پشت کی مثل ہے ان سب میں کفارہ کو مشروع کر دیا، قسم توڑنے کے سوا باقی سب میں دو ماہ کے روزے ہیں اور قسم توڑنے کا کفارہ دس آدمیوں کا کھانا کھلانا یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا یا تین روزے ہیں غرض دین میں کوئی تنگی نہیں ہے۔

امام عبد الرحمٰن بن محمد بن ادریس رازی المعروف بابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے

ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا اللہ تعالیٰ نے ہم سے کون سی تنگی اور حرج کو دور کیا ہے انھوں نے کہا کہ بنو اسرائیل پر جو مشکل احکام تھے ان کا بوجھ تم سے اتار دیا گیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۰۳۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسلام میں تم پر وسعت رکھی ہے تمہارے لئے توبہ اور کفارہ کو مشروع کر دیا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۰۳۴)

مقاتل بن حیان اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دین میں تمہارے اوپر تنگی نہیں رکھی، اور جو شخص بھی دین میں داخل ہوا اس کے لئے وسعت اور گنجائش ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ ہر وہ حکم جو بندہ پر فرض کیا گیا ہے جب اس کی ادائیگی میں مشکل یا اضطرار ہو تو ضرورت کے وقت اس میں رخصت کو مشروع کیا گیا ہے، مسلمانوں پر چار رکعت نماز فرض کی گئی ہے لیکن سفر میں چار رکعات کے بجائے دو رکعت مشروع کر دی گئی ہیں، جب کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز نہ پڑھ سکے تو اشارہ سے نماز کو مشروع کر دیا ہے، اگر دشمن کے خوف سے قبلہ کی طرف منہ نہ کر سکے تو چلتی سواری کا جس طرف منہ ہو اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے۔ اگر وضو یا غسل کے لئے پانی نہ ملے تو تیمم کرلے، مقیم پر روزہ فرض ہے اور مسافر کے لئے قضا کی رخصت ہے اور اگر بالکل روزہ نہ رکھ سکے تو فدیہ دے دے۔ اگر سفر کا خرچ نہ ہو یا ظالم حکمران حج کے لئے نہ جانے دیں تو حج نہ کرنے کی بھی رخصت ہے، اسی طرح بیماروں، کمزوروں اور معذوروں کے لئے جہاد نہ کرنے کی بھی رخصت ہے، اگر سخت بھوک کی وجہ سے مرنے کا خطرہ ہو اور کوئی حلال چیز دستیاب نہ ہو تو بقدر ضرورت حرام چیز کھانے کی بھی رخصت ہے اور اس حالت میں مردار، خون حتیٰ کہ خنزیر کا گوشت کھانے کی بھی رخصت ہے اور ان تمام امور کا ذکر قرآن مجید میں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس امت پر یہ آسانی فرمائی ہے کہ اس کو اتنی کثیر رخصتیں عطا فرمائی ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۰۳۶، ج ۸ ص ۲۵۰۷-۲۵۰۶، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

جب عزیمت (فرض) پر عمل کرنا مشکل ہو تو رخصت پر عمل کرنا فرض ہے

اللہ تعالیٰ نے عزیمت (اصل حکم) کو بھی مشروع فرمایا ہے اور عذر کے وقت رخصت کو بھی مشروع فرمایا ہے کیونکہ اسلام دین فطرت اور دین یسر ہے اور جس طرح بلا عذر اصل حکم پر عمل نہ کرنا گناہ

ہے اسی طرح عذر کے وقت رخصت پر عمل نہ کرنا بھی گناہ ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے اللہ کی دی ہوئی ان رخصتوں پر عمل کرنا واجب ہے جو اس نے تم کو دی ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۱۵، رقم الحدیث المسلسل: ۲۵۷۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۳۸)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے سال رمضان میں رسول اللہ ﷺ مکہ روانہ ہوئے، آپ نے روزہ رکھ لیا، جب آپ کراع الغمیم میں پہنچے تو آپ نے پانی کا پیالہ منگوا کر اسے اوپر اٹھایا حتیٰ کہ لوگوں نے اسے دیکھ لیا، پھر آپ نے وہ پانی پی لیا، آپ کو بتایا گیا کہ بعض لوگ اپنے روزے پر برقرار ہیں آپ نے فرمایا وہ نافرمان ہیں! وہ نافرمان ہیں! (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۱۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۱۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۲۶۳)

ابوطعمہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ایک شخص نے آکر کہا اے ابوعبدالرحمٰن! میں سفر میں روزے رکھنے کی قوت رکھتا ہوں، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اللہ کی دی ہوئی رخصتوں کو قبول نہیں کرتا اس کو (میدان) عرفہ کے پہاڑوں جتنا گناہ ہوگا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۷۱ طبع قدیم، احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے حاشیہ مسند احمد ج ۵ ص ۱۵، رقم الحدیث: ۵۳۹۲، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۱۶ھ، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۵۳۲، اس کی روایت حضرت عقبہ بن عامر سے ہے، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۶۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کرنے کو اس طرح پسند کرتا ہے جس طرح اپنی نافرمانی کو ناپسند کرتا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۸، قدیم، احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۵۸۷۳، دار الحدیث قاہرہ ۱۴۱۶ھ، مسند البزار رقم الحدیث: ۹۸۸، ۹۸۹، شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۸۹۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصت پر عمل کیا جائے جس طرح اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے عزائم (فرائض) پر عمل کیا جائے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۸۸۰، مسند البزار رقم الحدیث: ۹۹۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۵۴، حافظ الہیثمی نے کہا مسند البزار کے راوی ثقہ ہیں مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۶۲،

شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۸۸۹) کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۳۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصتوں کو قبول کیا جائے جس طرح اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کے عزائم (فرائض) پر عمل کیا جائے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۰۳۰، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۶۰۲، حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں معمر بن عبداللہ انصاری ہے اس کی مرفوع حدیث کی متابعت نہیں کی جاتی، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۶۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۳۱)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے یہ ہم نے سخت گرمی میں سفر کیا تھا، ہم راستہ میں ایک جگہ ٹھہر گئے، ہم میں سے ایک شخص درخت کے نیچے جا کر لیٹ گیا، وہ بیمار لگتا تھا اور اس کے ساتھی اس کی تیمارداری کر رہے تھے، جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھا تو پوچھا اس کو کیا ہوا ہے، لوگوں نے کہا یہ روزہ دار ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے تم کو جو رخصتیں دی ہیں ان کو لازم کر لو اور ان کو قبول کرو۔ (حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کو امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۶۱)

دین آسان ہے سو مشکل احکام نہ بتائے جائیں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ط يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرۃ: ۱۸۵)

اور جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرے (روزے قضا کرے) اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تمہیں مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

اور اس باب میں حسب ذیل احادیث ہیں:

دین آسان ہونے کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بے شک دین آسان ہے اور جو شخص بھی دین پر غالب آنے کی کوشش کرے گا اس پر دین غالب آجائے گا، پس تم ٹھیک ٹھیک کام کرو، صحت اور درستگی کے قریب اور خوشی سے عبادت کرو، صبح اور شام اور کچھ رات کے وقت۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۰۳۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۹۳۵، عالم الکتب بیروت)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین شخص (حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت عثمان بن مظعون: مصنف عبدالرزاق) نبی ﷺ کی ازواج کے حجروں میں گئے اور نبی ﷺ کی عبادت (کی مقدار) کے متعلق پوچھ گچھ کی، جب ان کو آپ کی عبادت کے متعلق بتایا گیا تو انہوں نے اپنی عبادت کو کم سمجھا اور کہا، کہاں ہم! اور کہاں نبی ﷺ آپ کے تو اگلے اور پچھلے تمام بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت کردی گئی ہے، ان میں سے ایک شخص نے کہا رہا میں، تو میں ہمیشہ پوری رات نماز پڑھوں گا، اور دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی دن میں کھانا نہیں کھاؤں گا اور تیسرے نے کہا اور میں کبھی نکاح نہیں کروں گا اور عورتوں سے الگ رہوں گا، پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور آپ نے فرمایا تم لوگوں نے اس اس طرح کہا ہے سنو! اللہ کی قسم! بے شک میں ضرور تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور دن میں کھاتا بھی ہوں، اور رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، پس جس شخص نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ (محمودہ) پر نہیں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۶۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۱، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۲۱۶)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! لگتا ہے کہ میں جماعت سے نماز نہیں پڑھ سکوں گا، کیونکہ فلاں شخص بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے، تو میں نے نبی ﷺ کو نصیحت کرتے ہوئے کبھی اس قدر زیادہ غصہ میں نہیں دیکھا آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم (جماعت سے) متنفر کرتے ہو، سو جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے وہ تخفیف سے نماز پڑھائے کیونکہ نمازیوں میں بیمار بھی ہوتے ہیں، کمزور بھی ہوتے ہیں اور ضروری کام پر جانے والے بھی ہوتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۹۸۴، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۸۹۱)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو اور حضرت معاذ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ان دونوں سے فرمایا: تم دونوں آسان احکام نافذ کرنا اور لوگوں کو مشکل میں نہ ڈالنا اور لوگوں کو خوش رکھنا اور ان کو متنفر نہ کرنا اور ایک دوسرے سے موافقت کرنا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۴، ۴۳۴۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۳، ۲۰۰۱، الرقم المسلسل: ۵۱۱۸، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۳۵۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۹۱)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا آسان احکام بیان کرو اور لوگوں کو مشکل میں نہ ڈالو اور پرسکون رکھو اور لوگوں کو متنفر نہ کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۳، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۸۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دو چیزوں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا گیا تو آپ نے اس چیز کو اختیار فرمایا جو زیادہ آسان ہو بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو، اگر وہ گناہ ہو تو آپ اس سے سب سے زیادہ دور ہونے والے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۶، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۹۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۰۲۶، عالم الکتب)

ارزق بن قیس کہتے ہیں کہ ہم (مقام) اہواز میں دریا کے کنارے نماز پڑھ رہے تھے، اس کا پانی خشک ہو چکا تھا، حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑی پر آئے اور گھوڑی کو چھوڑ کر نماز پڑھنے لگے، وہ گھوڑی چل پڑی، تو انہوں نے نماز کو چھوڑ کر گھوڑی کا پیچھا کیا اور گھوڑی کو واپس لا کر باندھ دیا پھر آکر نماز پڑھی، ایک شخص نے ان کو دیکھ کر کہا اس بڈھے کو دیکھو نماز کو چھوڑ کر گھوڑی کو پکڑنے کے لئے چل دیا تھا، حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مڑ کر اس کو جواب دیا اور فرمایا جب سے میں رسول ﷺ سے جدا ہوا ہوں مجھے کسی نے ملامت نہیں کی اور میرا گھر متراخ (ایک جگہ کا نام) میں ہے اور اگر میں نماز پڑھتا اور گھوڑی چھوڑ دیتا تو میں اپنے اہل کے پاس رات تک نہیں پہنچ سکتا تھا، اور انہوں نے بتایا کہ وہ نبی ﷺ کے صحابی ہیں اور انہوں نے دیکھا ہے کہ نبی ﷺ (عبادات اور احکام کو) آسان کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۷، ۱۲۱۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے آکر مسجد میں پیشاب کر دیا، لوگ اس کو مارنے کے لئے دوڑے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو، اور اس کے پیشاب کے اوپر ایک ڈول یا دو ڈول پانی بہا دو، کیونکہ تم آسانی پیدا کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو اور مشکل میں ڈالنے کے لئے نہیں بھیجے گئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۵، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۷۸۶، عالم الکتب بیروت)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ ذات السلاسل میں ایک سردی کی رات میں ان کو احتلام ہو گیا، انہوں نے کہا مجھ کو خطرہ تھا کہ اگر میں نے غسل کیا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا، میں نے تیمم کیا اور اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا دی، لوگوں نے نبی ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر

کیا، نبی ﷺ نے فرمایا اے عمرو کیا تم نے جنبی ہونے کی حالت میں لوگوں کو نماز پڑھادی، تب میں نے بتایا کہ میں نے کس وجہ سے غسل نہیں کیا تھا اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ پڑھتے ہوئے سنا ہے:

لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (النساء:۲۹)

اپنے نفسوں کو قتل نہ کرو، اللہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۳۴)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں گئے ہم میں سے ایک شخص کے سر پر پتھر آکر لگا جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ پھر اس کو احتلام ہوگیا، اس نے اپنے اصحاب سے پوچھا کیا تم میرے لئے تیمم کی رخصت پاتے ہو، اس کے اصحاب نے کہا ہم تمہارے لئے تیمم کی رخصت نہیں پاتے تم پانی کے استعمال پر قادر ہو، اس نے غسل کیا جس سے وہ مر گیا، جب ہم نبی ﷺ کے پاس پہنچے تو ہم نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی تو آپ نے فرمایا ان لوگوں کو اللہ مار ڈالے انہوں نے تو اس کو قتل کر دیا، جب ان کو اس صورت حال کے حکم کا علم نہیں تھا انہوں نے کسی (اہل علم سے) سے پوچھا کیوں نہیں! جہالت کی شفاء سوال کرنے میں ہے، اس کے لئے تیمم کرنا کافی تھا یا وہ اپنے زخم پر کپڑا باندھ کر اس پر مسح کر لیتا پھر باقی جسم دھو لیتا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۳۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۵۷۲)

ابو عروہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کا انتظار کر رہے تھے آپ نے ایک پیر کو باہر نکالا اور وضو یا غسل کی وجہ سے آپ کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے، لوگ آپ سے پوچھ رہے تھے یا رسول اللہ! ہم پر کوئی حرج ہے اگر ہم فلاں کام کر لیں! آپ نے فرمایا نہیں اے لوگو، پھر آپ نے تین بار فرمایا بے شک اللہ کا دین آسان ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۶۹، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث:۲۰۹۳۵، عالم الکتب)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک یہ دین متین (مضبوط) ہے اس میں نرمی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۹، مسند احمد رقم الحدیث:۱۳۰۸۳، عالم الکتب)

حضرت انس بن مالک، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اسلام نرم دین ہے اس میں نرمی کے ساتھ داخل ہونا چاہیے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۵، مسند احمد رقم الحدیث:۲۱۶۱۷، عالم الکتب بیروت، شعب الایمان رقم الحدیث:۳۸۸۶)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے اوپر سختی نہ کرو (سخت اور مشکل کاموں کی نذر نہ مانو) تم سے پہلی امتیں اس لئے ہلاک ہوگئیں کہ انہوں نے اپنے

اوپر سخت اور مشکل کاموں کو لازم کر لیا تھا (مثلاً رہبانیت) ان کے باقی ماندہ لوگوں کو تم کلیساؤں اور گرجوں میں دیکھو گے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث:۵۵۵۱، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۳۸۸، شعب الایمان رقم الحدیث:۳۸۸۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فرائض کو ادا کرو اور رخصتوں کو قبول کرو اور لوگوں کو چھوڑ دو تم ان سے کفایت کر چکے ہو۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث:۷۸۶، کنز العمال رقم الحدیث:۵۳۳۷)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے سب سے افضل لوگ وہ ہیں جو رخصتوں پر عمل کرتے ہیں۔ (المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۱۶۵، الصحیحۃ للالبانی رقم الحدیث:۱۵۰۵، الجامع الصغیر رقم الحدیث:۱۳۰۰)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک اعرابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے دین میں سب سے بہتر وہ عبادت ہے جو سب سے آسان ہو تمہارے دین میں سب سے بہتر وہ عبادت ہے جو سب سے آسان ہو۔ (دو بار فرمایا) (مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۹، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث:۱۶۰۳۲، عالم الکتب بیروت)

دم زندگی رم زندگی، غم زندگی سم زندگی
غم رم نہ کر سم غم نہ کھا کہ یہی ہے شان قلندری!
تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری!
نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی، نہ حریف پنجہ فگن نئے
وہی فطرت اسد اللہی، وہی مرحبی وہی عنتری

نیل پالش کے ساتھ وضو کے جواز کا مسئلہ

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

استاذ الفقه والتفسیر

شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

قرآن مجید، فرقان حمید میں حکم وضو کے لئے، جو الفاظ آئے ہیں۔ سب سے پہلے وہ ملاحظہ ہوں۔ یا ایها الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوة فاغسلوا وجوهکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین (المائدہ/۶)

اے ایمان والو! جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو اور اپنے سر کا مسح کرو۔ اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھولو۔

اس آیت کے مطابق تین اعضاء کو دھونا اور ایک پر مسح کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔

دھونے والے اعضاء میں دو کی حدود متعین کر دی گئی ہیں۔ جبکہ چہرہ کی حدود کا تعین نہیں کیا گیا۔ اس لیے ظاہر ہے کہ چہرہ کو دھونے کا حکم کسی "مخصوص تعریف" کے تحت نہیں بلکہ عرف کے تحت ہے۔ چہرے کو دھونے کا عمل بہت ہی کمسنی سے شروع ہو جاتا ہے۔ جو "فقہی تعریف" سے بے نیاز ہوتا ہے۔ فقہ کی رو سے چہرہ کی تعریف یہ کی گئی ہے۔

حد الوجه من قصاص شعره الیٰ اسفل ذقنه والیٰ شحمتی الاذنین یا (لمبائی میں) پیشانی کے بالوں کی آخری حد سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور (چوڑائی میں) ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک کو چہرہ کہتے ہیں۔ مگر چہرہ کی تعریف میں صاحب درمختار کا یہ قول زیادہ پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔

من مبدا، سطح وجه الیٰ اسفل ذقنه.

یعنی پیشانی کی ابتداء سے لیکر ٹھوڑی تک ہے

اسی طرح امام ابو یوسف کے قول کے مطابق کان اور داڑھی کے درمیان، جو خالی جگہ ہے وہ چہرہ میں شامل نہیں ہے۔[۲]

عرفی اور لغوی چہرہ کی تعریف "ما یواجه به الانسان" سے کی گئی ہے۔ دراصل یہ وجہ "کے معنی کی وضاحت ہے۔ کیونکہ وجه وہی حصہ ہے جس کا انسان سے ملتے ہی مواجہ (سامنا) ہوتا ہے۔ یہ انسانی ذات کا وہ حصہ ہے جس سے اسکی شناخت ہوتی ہے۔ اور جسے کھلا رکھنا پڑتا ہے۔ ابن فارس کے بقول الوجه، انسان کے اس حصہ جسم کو کہتے ہیں جو سب سے پہلے سامنے آئے۔ چونکہ انسان کا چہرہ نمایاں طور پر سامنے آتا ہے۔ اس لیے اسے وجہ کہتے ہیں۔

چنانچہ فاغسلوا وجوهکم کا مطلب چہرہ کا عام عادت کے مطابق دھونا ہے۔ بالفرض اس دھونے میں اگر کوئی حصہ غیر ارادی طور پر خشک رہ جائے (خواہ عادۃً یا اتفاقاً) تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس "وجہ مغسول" کو بے دھلا چہرہ قرار دیا جائے گا؟ میں سمجھتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید کی منشاء یہ نہیں ہے کہ پہلے چہرہ کی حد بندی کی جائے۔ پھر اس حد بندی کے اندر اتنی شدت اختیار کی جائے کہ اگر اس حد میں بال برابر بھی جگہ خشک رہ گئی ہو تو اسے "وضو" کی تعریف سے نکال دیا جائے۔ تاہم احتیاط کے پہلو سے اسے مستحسن اور مستحب ضرور قرار دیا جائے گا۔

یہی حال "وایدیکم الی المرافق" کا ہے۔ یہاں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونے کے حکم سے دراصل ہاتھوں کی حد بندی کرنا مقصود ہے۔ کیونکہ اگر یہ حد مقرر نہ ہوتی تو کوئی اسے فقط کلائیوں تک دھوتا اور کوئی بازوؤں تک۔

ترتیب وضو میں تیسرے عضو (سر یا سر کے بالوں) کو مسح کرنے سے متعلق کیا گیا ہے۔ مسح کہتے ہیں کہ ہاتھ پانی میں تر کر کے کسی چیز پر لگانا اور از روئے لغت فقط چھونے کو مسح کہتے ہیں۔ اس فقرہ میں یہ تصریح نہیں کہ آدھے سر کا مسح کرے یا کل کا یا چوتھائی کا۔ اس لیئے علماء اسلام کے اسمیں مختلف اقوال ہیں۔

شاہ محمد عبدالحق حقانی کے بقول امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اور اکثر علماء کے نزدیک تمام سر کا مسح کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس لیئے کہ اول تو برؤسکم میں "ب" بعضیت کا فائدہ دیتی ہے۔ کہتے ہیں مسحت یدی بالمندیل یعنی میں نے اپنے ہاتھوں کا رومال سے مسح کیا۔ اسمیں یہ ضروری نہیں کہ تمام رومال کا مسح کیا ہو بلکہ اس کے بعض اجزاء کے مسح پر بھی یہ قول صادق آتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر

"ب" کو زائدہ بھی تسلیم کر لیں تب بھی باعتبار اہل زبان کے پورے سر کا مسح کرنا نہیں سمجھا جاتا۔ یہ مسح مطلق ہے۔ پھر امام شافعی نے اس کو مطلق ہی رکھا ہے۔ حتیٰ کہ اگر سر کے چند بالوں کا مسح بھی ہو جائے گا تو کافی ہوگا۔

مگر امام ابوحنیفہ نے اسکوان احادیث سے جو "مسح بعض راس" کے لئے آئی ہیں۔ چوتھائی سر مراد لیا ہے۔ جبکہ امام مالک نے اپنے قرآئن اور ان احادیث سے کہ جن میں تمام سر کا مسح کرنا پایا گیا ہے کل سر کا مسح کرنا مراد لیا ہے۔

احادیث صحیحہ میں کل سر کا مسح کرنا بھی آیا ہے اور بعض کا بھی۔ گو علمائے اسلام کی یہ بحث فرضیت کے باب میں تھی۔ مگر پورے سر کے مسح کرنے کے مسنون ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ امام اوزاعی، ثوری، اور امام احمد کے نزدیک اگر بجائے سر کے کوئی عمامہ پر مسح کر لے تو درست ہوگا۔ کیونکہ نبی ﷺ نے بعض اوقات ایسا کیا ہے۔ جیسا کہ عمرو بن امیہ ضمری اور بلال اور مغیرہ بن شعبہ اور سلمان اور ثوبان رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایات آئی ہیں۔ جنکو بخاری، اور احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔ مگر امام شافعی اور امام ابوحنیفہ اور اکثر علماء کے نزدیک یہ کافی نہ ہوگا۔ اور آنحضرت ﷺ کا یہ فعل اس بات پر محمول ہوگا کہ آپ نے عمامہ کو ہاتھ سے اٹھا کر سر کا مسح کیا۔ راوی نے یہ سمجھا کہ صرف عمامہ پر مسح کیا۔ جیسا کہ صحیحین میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں منقول ہے۔

ان النبی ﷺ توضا فمسح بناصیۃ وعلی العمامۃ ۔الخ۔ نبی ﷺ نے وضو کر کے اپنے ماتھے اور عمامہ پر مسح کیا۔ [۲]

مختصر یہ کہ اہل لغت کی تصریح کے مطابق "ب" تبعیض کے لئے ہے۔ یعنی کچھ حصے کے مفہوم میں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سر کے کچھ حصے کا مسح کرو۔ گویا حرف با کی وجہ سے اس حکم میں اتنی وسعت اور گنجائش موجود ہے اگر پورے سر کا مسح نہ ہو سکے تو کوئی حرج نہیں۔ جتنا بھی ہو جائے اسے کافی سمجھا جائے۔ اس لیے فقہ حنفی میں "چوتھائی سر" کا مسح کرنا فرض ہے۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے۔

والمفروض فی مسح الرأس مقدار الناصیۃ وھو ربع الرأس [۵]

مسح راس میں ناصیہ کی مقدار پر مسح کرنا فرض ہے۔

اب آخر میں پاؤں دھونے کا مسئلہ دیکھیے (وار جلکم الی الکعبین) اگر یہاں کعبین (ٹخنوں) کا ذکر نہ ہوتا تو پاؤں کی حد بندی نہ ہوتی۔ اس لیے وضو میں پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا فرض کیا گیا ہے۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ ہر مسلمان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ اعضائے وضو کو انکی وسعت کے ساتھ دھولے۔ تاہم انسانی کمزوریوں کے پیش نظر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اعضائے وضو کا کوئی معمولی سا حصہ دھلنے سے رہ جاتا ہے اور یہ سب غیر ارادی طور پر ہوتا ہے۔ لہٰذا اس "غیر ارادی نقص" کی وجہ سے اعضائے مغسولہ پر وضو کا اطلاق کیا جانا قرآن کے اس اصول کے مطابق ہے۔ جسمیں یہ کہا گیا ہے۔

ولیس علیکم جناح فیما اخطاتم بہ ولکن ما تعمدت قلوبکم وکان اللہ غفوراً رحیما۔ (الاحزاب ۵)

اور تم پر اس بارے میں کچھ گناہ نہیں۔ جو تم سے چوک ہو جائے۔ لیکن (وہ گناہ ہے) جو تمہارے دل عمداً کریں اور اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں درج ذیل حدیث کو دیکھیے۔

عن علی قال جاء رجل الی النبی ﷺ فقال انی اغتسلت من الجنابۃ وصلیت الفجر ثم اصبحت فرأیت قدر موضع الظفر لم یصبہ الماء فقال رسول اللہ ﷺ لو کنت مسحت علیہ بیدک اجزاءک ۔[۶]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا۔ میں نے غسل جنابت کیا اور فجر کی نماز پڑھ لی۔ پھر میں نے دیکھا کہ ناخن برابر جگہ پر پانی نہ پہنچ سکا تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اگر تم اس جگہ پر ہاتھ پھیر لیتے تو وہ تمہارے لیئے کافی تھا۔

یعنی آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تمہارا غسل نہیں ہوا اس لیئے نماز نہیں ہوئی۔ تو جناب! یہ ہے حضور نبی رحمت ﷺ کا احکام شریعت کے سلسلے میں توسع کا عملی مظاہرہ۔

اب آیئے ایک دوسرے پہلو سے اس مسئلہ کو دیکھتے ہیں۔ یعنی حکم وضو، حکم غسل کی روشنی میں۔ اس ضمن میں سب سے پہلے قرآن مجید کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

یا ایھا الذین امنوا لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ما تقولون ولا جنباً الا عابری سبیل حتیٰ تغتسلوا ۔۔(الی آخر الایہ)(النساء ۴۳)

اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ، جب تم نشہ میں ہو۔ یہاں تک کہ سمجھنے لگو، جو کہتے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں، سوائے اس کے کہ راستہ گزر رہے ہو۔ یہاں تک کہ غسل کر لو۔

اس آیت کی رو سے، حالت جنابت میں نماز پڑھنا تو کجا، نماز کی جگہ (مسجد) میں قیام سے بھی روکا گیا ہے۔ موضع صلوٰۃ سے صرف گزرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ حتیٰ تغتسلوا سے مراد

ظاہر ہے کہ پورے جسم کا دھونا ہے۔ کیونکہ اگر کسی مخصوص حصے کا دھونا مطلوب ہوتا تو اس کا نام ضرور لیا جاتا۔ اور دوسری جگہ یہ حکم یوں آیا ہے۔

وان کنتم جنباً فاطھروا. (النساء/۴۳۔المائدہ/۶)

اور جب تم ناپاک ہو جاؤ تو طہارت حاصل کرو۔

ظاہر ہے کہ یہ طہارت اصلاً تو پانی سے حاصل ہوتی ہے اور اگر پانی نہ ہو تو پاک مٹی سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

جس طرح حکم وضو میں، اعضائے وضو کا دھونا فرض ہے۔ اسی طرح حکم غسل میں پورے بدن کا مغسول ہونا بھی فرض ہے۔

ایک روایت کی رو سے کہا یہ جاتا ہے کہ اگر ایک بال برابر بھی بدن کا کوئی حصہ خشک رہ جائے تو غسل نہیں ہوتا (اس روایت پہ تبصرہ ذرا آگے چل کر آئے گا)۔ اس روایت کی حقیقت، درج ذیل روایات کی روشنی میں دیکھیے۔

روایت نمبر ا۔

عن ام سلمة قالت، قلت یار سول الله ﷺ انی امرأة " اشد صفر راس افا نقضه لغسل الجنابة قال لا انما یکفیك ان تحثی علیٰ رأ سك ثلاث حثیات من مآء ثم یفیضی علیٰ سائر جسدك المآء فتطھرین او قال فاذا انت قد تطھرت قال ابو عیسی ھذا حدیث حسن ٌصحیح " والعمل علیٰ ھذا عندا ھل العلم ان المراة اذا غتسلت من الجنابة فلم تنقض شعر ھا ان ذلك یجز ئھا بعد ان تفیض الماء علیٰ راسھا۔ ؎

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے سر کی چوٹی سختی سے بندھی ہوئی ہے۔ کیا میں غسل جنابت کے لئے کھولا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کھولنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اپنے سر پر تین مرتبہ پانی ڈال لیا کرو۔ پھر ایک مرتبہ پورے جسم پر پانی بہاؤ۔ پاک ہو جاؤ گی۔ یا یہ فرمایا اس وقت تو بے شک پاک ہو گی۔ امام ترمذی فرماتے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ جب عورت غسل جنابت کرے اور بالوں کو کھولے بغیر سر پر پانی ڈالے تو جائز ہے۔

روایت نمبر۲۔

اب ایک اور روایت ملاحظہ ہو:

عن عبید ابن عمیر عن عائشه ان عبدالله بن عمر یا مر النسآء اذا اغتسلن ان تنقضن روسھن فقالت یا عجبا لا بن عمر ھذا یا مر النسآء اذا اغتسلن ان ینقضن رء وسھن افلا یا مر ھن ان یحلقن روسھن لقد کنت اغتسل انا و رسول الله ﷺ من انا ء واحد وما ازید علی ان افرغ علیٰ راسی ثلاث افراغات ؎۸

عبید بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عمر عورتوں کو غسل کے وقت منڈھیاں کھولنے کا حکم دیتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ عبداللہ بن عمیر پر تعجب ہے کہ وہ عورتوں کو غسل کے وقت منڈھیاں کھولنے کا حکم دیتے ہیں۔ وہ عورتوں کو سر منڈانے کا حکم کیوں نہیں دیتے۔ حالانکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک برتن سے پانی لیکر غسل کرتی تھی اور اپنے بالوں پر صرف تین بار پانی ڈالتی تھی۔

ان دونوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے سروں کے بال گندھے ہوئے ہوں تو انہیں بغیر کھولے، غسل کیا جائیگا۔ بال کھولنے پر اصرار نہیں کیا جائے گا۔ خواہ تمام سر پانی سے نہ بھیگے۔ اس سلسلے میں رہنمائی کے لئے یہ روایت پیش نظر رہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔

ام الرجل فلینشر راسه فلیغسله حتیٰ یبلغ اصول الشعر واما المراۃ فلا علیھا ان لا تنقضه ؎۹

مرد اپنا سر کھول کر دھوئے۔ یہاں تک کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے اور عورت کے لئے ضروری نہیں ہے (کہ وہ اپنے بال کھولے)۔

اس لیئے اہل فقہ فرماتے ہیں کہ گیسو بافتہ عورت پر گندھے ہوئے بالوں کو کھول کر جڑوں میں پانی پہنچانا صحیح قول کے مطابق ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں اس کے لیئے حرج ہے۔ برخلاف داڑھی کے بالوں کے کہ ان کے درمیان پانی پہنچانے میں کوئی مشقت نہیں۔ لیکن مبسوط میں ہے کہ مذکورہ حدیث مسلم کی روشنی میں اصح یہ ہے کہ وجوب نہیں رہتا۔ ؎۱۰

نیز یہ بھی فرماتے ہیں: داڑھی کا تعلق، چونکہ چہرے سے ہے اور آیت وضو سے چہرہ کا دھونا فرض ہے۔ اس لیے بظاہر داڑھی بھی اس حکم میں شامل ہونی چاہیے۔ مگر مذہب حنفی میں داڑھی کی تخلیل فرض نہیں بلکہ جائز و مستحب ہے۔ ؎۱۱

اس مسئلہ کو اب ایک دوسرے پہلو سے دیکھیے۔